رجسٹرڈ نمبر اے ۹۲۲

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ ۲ دو آنے — سالانہ چندہ ۲ دو روپے

جلد ۱۲	۱۵ اکتوبر ۱۹۵۳ء	ایڈیٹر قاضی عبدالغفار	۶ صفر المظفر ۱۳۷۳ھ	نمبر ۲۰

اندھرا کی نئی ریاست اور اردو زبان

لسانی بنیادوں پر صوبوں کی تقسیم کا اصول آگے چلکر ملک کی ایکتا کے لئے کس قدر خطرناک ثابت ہونے والا ہے۔ اس پر تو اس وقت بحث کرنیکی ضرورت نہیں۔ لیکن اب جبکہ لسانی بنیاد پر ایک نئی ریاست بنادی گئی ہے تو اس کے اندر ان لوگوں کے مستقبل اور ان کے زبان کلچر کے مستقبل کا سوال ضرور پیدا ہوتا ہے۔ جن کی مادری زبان اردو ہے اور جو اب اندھرا ریاست کے شہری بن گئے ہیں۔ تین سو سال سے وہاں آباد ہیں۔ حال ہی میں ایک اندھرا مسلم کنونشن گنتور میں منعقد ہوا تھا جس میں اس اندیشہ کا اظہار کیا گیا کہ اندھرا میں جن لوگوں کی مادری زبان اردو ہے۔ اور جو تین سو سال سے وہاں آباد ہیں ان کی کلچر اور زبان خطرہ میں نظر آتی ہے۔ یہ لاکھوں باشندے وہ ہیں جو درحقیقت ہمیشہ سے اندھرا دیس ہی کے شہری ہیں اور اردو کے علاوہ تیلگو زبان بھی ان کی زبان ہے۔ تاہم وہ اردو زبان کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ اندھرا کی نئی ریاست میں ان کی لوگوں کی تعداد تقریباً ۱۷ لاکھ یعنی ریاست کی کل آبادی کا ۱۳ فیصد ہے۔ ان کی سیاسی حیثیت یہ ہے کہ اس ۱۳ فی صد میں سے نہ تو ایک ممبر ریاست کی اسمبلی میں ہے اور نہ پارلیمنٹ میں۔ اس لئے ان کو بجا طور پر یہ اندیشہ ہو سکتا ہے کہ کہیں یہ نئی ریاست ان کے زبان اور کلچر کو بھی ہمیشہ کے لئے نظر انداز نہ کر دے۔

وشال اندھرا کی تحریک کا ذکر کرتے ہوئے حال ہی میں ایک مقرر نے کہا تھا کہ اگر یہ تحریک کامیاب ہو جائے اور لسانی بنیاد پر ریاست حیدرآباد کے بھی ٹکڑے کر دیئے جائیں تو وہاں ان مسلمانوں اور ہندوؤں اور ان تلنگانہ کے رہنے والوں کو زبان کا سوال ضرور پیدا ہوگا۔ جن کی مادری زبان اردو ہے۔ ابھی تک نئی ریاست کے نیتاؤں کی طرف سے اس قسم کا کوئی اعلان نہیں ہوا جس سے یہ معلوم ہوتا کہ اردو زبان کو اس اقلیت کے ساتھ وہ کیا برتاؤ کریں گے۔ لیکن برخلاف اس کے بعض اخباروں میں ایسے بیانات شائع ہوئے ہیں کہ نئی ریاست میں صرف ان ہی لوگوں کے حقوق کا لحاظ کیا جائے گا جن کی مادری زبان تیلگو ہے اس لئے کہ یہ ریاست لسانی بنیاد ہی پر قائم کی گئی ہے۔ اس کنونشن کی قراردادوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اردو والوں کے اندیشے بے بنیاد نہیں ہیں۔ مثلاً ایک قرارداد میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ صوبہ مدراس کے ایسے افسروں اور ملازموں کو جن کی مادری زبان اردو ہے مگر جو اندھرا ہی کے باشندے ہیں، اندھرا ریاست کی ملازمت میں داخل کیا جائے۔

ایک دوسری قرارداد میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ اندھرا کی نئی حکومت تلنگانہ اور حیدرآباد کے ان ہندوؤں اور مسلمانوں کو جن کی زبان اردو ہے یقین دلائے کہ نئی ریاست میں اردو زبان کی حیثیت صرف تیلگو کے بعد ایک علاقائی زبان کی حیثیت تسلیم کی جائے گی۔

ایک اور قرارداد میں حکومت سے شکایت کی گئی ہے کہ قانون ساز اداروں میں اقلیتوں کی نمائندگی کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا ہے۔

جس قدر اطلاعیں مل رہی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو زبان کا سوال اس نئی ریاست میں نازک صورت اختیار کرتا جاتا ہے اب یہ کام اندھرا اور حیدرآباد کے اردو دوستوں کا ہے کہ وہ فوراً ہی منظم ہو جائیں اور اپنی زبان کی حفاظت کا انتظام کر لیں۔ محض کسی کنونشن کی قراردادوں سے کام نہ چلے گا جب تک کہ ان قراردادوں کے پیچھے کوئی مضبوط تنظیم بھی نہ ہو جو زبان اور کلچر کی حفاظت کرے۔

کچھ عرصے سے یہ تحریک چل رہی تھی کہ کرنول میں ایک اردو کانفرنس بلائی جائے اور اس میں اس علاقہ کی حد تک زبان کی حفاظت اور ترقی کی تدابیر پر غور کیا جائے اور ایک مستقل تنظیم پیدا کی جائے۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ فوراً یہ تحریک شروع کی جائے اور پہلے اس سے کہ اس نئی ریاست کی نئی حکومت ایسے مسائل کے متعلق اپنے مسلک کا کوئی فیصلہ کرے، اردو دانوں کی آواز بلند ہونے لگے۔ اتر پردیش میں جس وقت سرکاری زبان کے متعلق قانون بنایا گیا تو کوئی موثر آواز بلند نہیں ہوئی، اور قانون میں اردو زبان کو نظرانداز کر دیا گیا۔ مدھیہ پردیش میں ایسا نہیں ہو سکا، اس لئے کہ مرہٹی والے ہوشیار اور با اثر تھے اور وہاں کے قانون میں ہندی کے ساتھ مرہٹی کو بھی شریک کرنا پڑا۔ اندھرا میں یقیناً ہندوستان کے دستور کے مطابق زبان کا کوئی قانون بنایا جائے گا، اس لئے ابھی سے اردو دانوں کو خبردار ہو جانا چاہئے، اور تمام دستوری اور آئینی طریقے اختیار کر کے حکومت کو مجبور کیا جائے کہ وہ اردو زبان کے حق پر توجہ کرے اور اپنے قانون میں اس کے لئے جگہ رکھے۔

بعض اوقات کوششیں اس لئے ناکام ہوتی ہیں کہ وہ مناسب وقت کے بعد کی جاتی ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ اندھرا میں اردو کے دوست ایسی غلطی نہ کریں گے اور فوراً رائے عامہ کی تائید حاصل کرنے کی تدابیر اختیار کریں گے۔

اردو کے متعلق کرنول میں ایک نمائندہ کانفرنس کا جلد سے جلد طلب کرنا اب ناگزیر ہو گیا ہے۔

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ سارے ہندوستان میں یہ سوال فوری توجہ کا محتاج ہے۔

انجمن ترقی اردو کی مرکزیت

بعض دوسرے مباحث کی طرح جن سے کافی انتشار خیال پیدا کیا گیا ہے، بعض گوشوں میں انجمن ترقی اُردو کی مرکزیت کا سوال بھی ایک غلط زاویہ نظر سے پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ زاویہ نظر افسوسناک بھی ہے اور خطرناک بھی —— لیکن اتنا خطرناک نہیں کہ انجمن کے کارگذار گھبرا جائیں۔

یہ امر مسلم ہے کہ ہندوستان میں اُردو کی خدمت کرنے والا سب سے بڑا ادارہ انجمن ترقی اُردو ہے۔ اور اس کی طویل اور ٹھوس خدمات اور اس کی روایات نے ملک کے ہر گوشہ میں دیرپا نقش پیدا کر دیا ہے اس کی مرکزیت ہر اعتبار سے ناقابل انکار ہے۔

لیکن ہمیں نہ بھولنا چاہئے کہ اس وقت ملک میں بہت سے ادارے انجمن کی تنظیم کے باہر بھی اردو زبان کی خدمت کر رہے ہیں، ان میں سے اکثر ادارے نہ تو مرکزی انجمن کے حریف ہیں اور نہ اس کے اصولوں سے ہٹ کر کام کرتے ہیں۔ لیکن وہ اپنی ایک جداگانہ حیثیت قائم رکھتے ہیں۔ بعض جماعتیں بھی انجمن ترقی اُردو کے مسلک سے قریب قریب چلتی ہیں لیکن ابھی تک اس کی تنظیم میں شامل نہیں ہیں۔ ایسے اداروں اور جماعتوں کے نام سے ملک کے مختلف گوشوں میں مختلف اجتماعات مشاعرے "یوم" وغیرہ ترتیب دیئے جاتے ہیں، اور اب تک انجمن ترقی اردو کا یہ مسلک رہا ہے کہ جہاں بھی اور جس گوشہ میں بھی اور جس کسی ایسی جماعت کی طرف سے اُردو زبان کی کوئی صحیح خدمت ہو رہی ہو، اس کو سراہا جائے اور اُس کی تائید کی جائے۔ گو ہم کوشش کرتے ہیں کہ جتنی بھی جماعتیں انجمن کی تنظیم سے وابستہ ہو جائیں انہیں اس تنظیم کے اندر لایا جائے تاکہ اردو زبان کی تحریک کی طاقت میں اضافہ ہوتا رہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو جماعتیں ہماری تنظیم کے باہر صحیح طریقے سے اور انجمن کے مسلک کے مطابق کام کر رہی ہیں، ان کی ہمت افزائی نہ کی جائے۔ کسی قومی خدمت کی اجارہ داری ہم کسی جماعت کے لئے بھی جائز نہیں سمجھتے۔

حال ہی میں دو آوازیں ایک ہی گوشہ سے سنی گئیں، ایک تو یہ کہ انجمن ترقی اُردو کی مرکزیت پر حملہ ہو رہا ہے۔ اس کی حفاظت کی جائے اور دوسری یہ کہ انجمن کی مرکزیت کو زیادہ "جمہوری" بنا کر تقسیم کر دیا جائے۔ دونوں آوازوں میں اتھلاپن ہے، اور فکر و نظر کی گہرائی نہیں ہے۔ دونوں سے عوام کے خیالات میں انتشار پیدا ہو جانا بیجا نہ ہوگا اگر ہم یہ بتا دیں کہ انجمن کی تنظیم کے اندر مرکزی مرکزیت کو کمزور یا اس کے اثر کو کم کرنے والی کوئی تحریک بھی گوارا نہیں کی جا سکتی اور ہر ایسی تحریک کا سختی سے مقابلہ کیا جائے گا۔ خواہ وہ انجمن کی تنظیم کے اندر شروع ہو یا اس کے باہر۔ دوسری بات یہ ذہن نشین ہونی چاہئے کہ جہاں تک مرکزی انجمن کا (جس کا صدر مقام علی گڑھ ہے) اور اس کے اراکین کا تعلق ہے انجمن کی مرکزیت قائم ہے، نہ اس پر ابھی تک کوئی حملہ ہوا ہے نہ اس کی اجازت دی جائے گی کہ کوئی مخالف تحریک ایسا کر سکے۔

لیکن تعجب اس وقت ہوتا ہے جب انجمن کے وہی احباب جو یہ کہتے ہیں کہ کسی سمت سے انجمن کی مرکزیت پر حملہ ہو رہا ہے خود اپنے عمل سے اپنی اجارہ داری قائم کرنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں اور انجمن کی مرکزیت کو کمزور کرنے کی یا منتقل کرنے کی تدابیر سوچتے ہیں۔

انجمن ترقی اردو کا نصب العین اُردو زبان کی خدمت اور حفاظت کرنا اور اپنی مرکزیت اور وقار کو باہر اور اندر کے حملوں سے

جاتا ہے تاکہ اس کی تنظیم مضبوط رہے۔ اُس کی اکائیاں پوری طرح اُس سے وابستہ رہیں اور زیادہ سے زیادہ باعمل رہیں۔ ہم شخصیات سے قطع نظر کرکے اجتماعی تنظیم کو اجتماعی حیثیت سے مضبوط اور مستحکم رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ بات ہمارے مہربان اور نامہربان اور مخلص اور غیر مخلص دونوں قسم کے دوستوں کو گرہ میں باندھنی چاہئے اور انتشار پیدا کرنے والی خبروں سے ذرا بھی متاثر نہ ہونا چاہئے۔

ہر ادارے کی زندگی میں کبھی کبھی مختلف سمت سے تیز اور تند ہوائیں چلا کرتی ہیں۔ ایسی آندھیاں چڑھتی ہیں اور اتر جاتی ہیں۔ اگر صیح نصب العین ہر وقت سامنے رہے اور مخلص کارکن ذاتی اغراض اور عصبیت کو اس کام میں داخل نہ ہونے دیں تو ہر ایسے ادارے کے مستقبل کو پوری طرح محفوظ سمجھنا چاہئے۔

اَنجمن کی شاخیں

جن شاخوں نے ابھی تک ہمارے سوالنامہ کا جواب نہیں دیا ہے وہ مہربانی کرکے جلد جواب دیں۔ ہم ان تمام جوابات پر غور کرکے تمام شاخوں کے عہدہ داروں کی ایک کانفرنس علی گڑھ میں کرنا چاہتے تاکہ انجمن کے کام کا ایک پنج سالہ پروگرام مرتب کیا جائے۔ شاخوں کے عہدہ دار مہربانی کرکے جنرل سکریٹری کو لکھیں کہ ان کے لئے علی گڑھ آنے کا کونسا زمانہ زیادہ موزوں ہوگا۔

ہلکے ہلکے اِشارے

"حیدرآباد۔ وزیر تعلیمات مسٹر دیوی سنگھ چوہان نے کہا کہ قومی زبان ہندی کی ترویج و ترقی کے نام پر اُردو تلنگی اور دوسری زبانوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔" ——— کیا بے اصولی بات فرمائی۔ ہماری ریاست میں تو اقبال کے فلسفۂ زندگی پر عمل ہوتا ہے۔

کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!

جب اُردو کا خاتمہ ہوگا تب ہی تو ہندی کے لئے میدان صاف ہو سکے گا۔ اور جب تلنگی میدان سے ہٹیگی تب ہی تو ہندی آگے بڑھ سکتی ہے!

——— بالکل موٹی سی بات ہے! کیا معلوم کیوں بعض لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی!!

حیدرآباد میں ایک اخبار کے نکالنے کی اجازت دی گئی ہے جس کا نام "چھم چھا چھم" ہوگا! ——— سبحان اللہ! اجازت مانگنے والے کی خوش مذاقی قابل داد ہے اور اجازت دینے والے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی خوش مذاقی بھی!!

——— کیا تعجب ہے کہ حیدرآباد کے مجسٹریٹوں کی وسیع الخیالی میں اگر اسی طرح اضافہ ہوتا رہا تو وہاں اخباروں کے ناموں کی جدت میں بھی اضافہ ہوتا رہے ——— مثلاً "ڈھولک" "جھانجن" "مجیرے" "طنبورہ" وغیرہ۔

——— حیدرآباد کی انجمن صحافت کو مبارک ہو کہ اب اس میں ارباب نشاط کی اصطلاحیں داخل ہوگئیں!!

حیدرآباد۔ ۱۰ ستمبر چیف منسٹر ڈاکٹر بی۔ رام کرشنا راؤ وزیر اطلاعات کی جانب سے آج حیدرآباد اسمبلی میں بتایا گیا کہ حیدرآباد میں (۱۰) روزنامے (۲۲) ہفتہ وار اور (۱۴) ماہنامے ہیں۔ مسٹر این گوڑ کے تحریری سوال کے جواب میں یہ تفصیل بتائی گئی۔

روزنامے۔ انگریزی (۳) اردو (۱۲) تلنگی (۱) ہندی (۱)

ہفتہ وار۔ انگریزی (۴) اردو (۱۲) تلنگی (۲) مرہٹی (۲) کنڑی (۱) ہندی (۱)۔ ماہنامے۔ انگریزی (۲) اردو (۸) تلنگی (۲) مرہٹی (۱) ہندی (۱)

——— ۱۰ میں سے ۱۲ اُردو کے روزنامے اور ۲۲ میں سے ۱۲ اردو کے ہفتہ وار ۱۴ میں سے ۸ اردو ماہنامے ——— کل ۵۲ میں ۳۸ پرچے اُردو کے! یہ کیا غضب ہے! اتنے اخباروں کو پڑھنے والے کہاں سے ملتے ہیں جبکہ اردو کا وجود برائے نام ہے! اور آخر اخبار والے اردو میں اخبار ہی کیوں نکالتے ہیں جب اس زبان کے پڑھنے والوں کی تعداد قابل ذکر نہیں!! ——— اور یہ تو ہرگز نہ کہئے کہ اُردو بھی حیدرآباد کی علاقائی زبان ہے!! جے ہند جے ہند!۔

——— اردو زبان کی فصاحت و بلاغت کا یہ انداز بھی ذرا ملاحظہ ہو! ہمارے ایک معاصر کی چند سطریں:۔

"جمیع برادران کو عموماً متعلقین و مریدین سلسلہ

عالیہ قادریہ چشتیہ نظامیہ سراجیہ جلالیہ اشرفیہ کو خصوصاً مژدہ جانفزا سنایا جاتا ہے کہ آل انڈیا جماعت شریف کے صدر اعظم و بانیٔ اسلام کے بڑے بڑے مقتدر و ممتاز علماء کے سرتاج حضرت قدس عظیم البرکت آفتاب دین و ملت مقتدا و سرتاج حضرت اقدس نائب سرکار گل گلزار ولایت حامل شریعت و طریقت واقف اسرار حقیقت و معرفت سلطان العلماء برہان الخطباء مرجع الفضلا تاج العرفا قبلۂ عالم علامۂ زماں قلزم علم و عرفان الحاج حضرت مولانا مفتی سید ـــ اشرفی الجیلانی محدث اعظم ہند دامت برکاتہم القدسیہ زاد اللہ فیضانہ دعوفانہ ۲۴ ستمبر مورخہ ۲۳ ذی الحجہ الحرام بروز جمعرات شب میں ساڑھے نو بجے رونق افروز ہو رہے ہیں۔

ـــ زبان اردو کی یہ رونق افروزی ـــ

اوراق اخبار یہ ـــ شایان صد تبریک و تہنیت ہے! اس ظالمانہ اردو کے زور قلم کی نسبت صرف اتنا ہی عرض کرنا ہے کہ

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز!!

ـــ ایک مذہبی اخبار میں کسی صاحب کو مخاطب کر کے اعتراض کیا گیا ہے کہ :-

آپ کے ان مضامین میں جس اردو کو استعمال کیا ہے وہ عالمانہ تقدیس سے بے نیاز ہو کر وہی اردو ہے جو بلا امتیاز کفر و اسلام قوم کو ابھارنے کے نام پر تمام سیاسی جماعتیں عموماً اور بے دینوں کی جمعیتیں خصوصاً بولتی رہتی ہیں۔ اس میں ایک جملہ بھی ایسا نہیں جس میں اسلامی بو باس اور سنیت کی خصوصی جھلک ہو۔ اس کا اجمال و ابہام حدود اہمال میں داخل نظر آتا ہے۔ آخر کیوں؟

ـــ آپ ہم سے سوال کریں کہ اردو زبان کے نادان دوست اور بدخواہ کیسے ہوا کرتے ہیں تو ہم ان ایڈیٹر صاحب کی طرف انگلی اٹھا کر عرض کریں گے کہ ایسے ہوا کرتے ہیں۔!! جو اردو زبان میں صرف اسلامی بو باس چاہتے ہیں!

ـــ ہماری سرکاری زبان میں ''وجرا چورن'' کے معنی کوئی صاحب جانتے ہیں؟ ـــ ہو نہ ہو کوئی اچھا ویدک یا یونانی طب کا چورن ہے، جو پیٹ کے درد اور بدہضمی کو رفع کرتا ہوگا!

ـــ محکمہ تعمیرات کے ایک بڑے افسر نے بھی یہی سمجھا۔ ان کے سامنے سامان تعمیرات کی ایک فہرست پیش ہوئی جس میں ''وجرا چورن'' کا بھی ذکر تھا۔ بدقسمتی سے یہ افسر ابھی تک سرکاری زبان کے رموز سے واقف نہ ہوئے تھے۔ تعجب ان کو یوں ہوا کہ آخر تعمیرات کے سامان کی فہرست میں یہ چورن کیوں لکھ گیا!

ـــ آخر کار سرکاری اصطلاحوں کی تازہ ترین ڈکشنری کے ملاحظہ فرمانے پر یہ بھید کھلا کہ ''وجرا چورن'' کوئی چورن نہیں ہے بلکہ سرکاری زبان میں ''سیمنٹ'' کا ترجمہ ہے!!

ـــ اگر محکمہ تعمیرات کی سرکاری اصطلاحات کی ترقی کا یہی عالم ہے تو ایک دن یہ سمجھنا مشکل ہو جائے گا کہ یہ محکمہ طب کا ہے یا تعمیرات کا!

ـــ اندھرا کے نیتا سوامی سیتارام نے ایک بیان میں کہا کہ اندھرا ریاست کے قائم ہونے کی تقریب میں ساری بات چیت صرف تلگو زبان میں کی جائے۔

ـــ ہمارے وزیر اعظم نے افتتاح فرمایا ہے۔ معلوم نہیں ان پر کیا گذری؟

ـــ یہ گویا اندھرا ریاست کا آغاز ہے۔
ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات

ـــ اندھرا کے بعض نیتاؤں نے تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ جو شخص تلگو نہ بولتا ہوگا وہ ہماری ریاست میں گھسنے نہ پائے گا!!

ـــ اور ابھی تو دو سال اندھرا کے تماشے دیکھنے ہیں!!

ـــ بہار میں بنگالی زبان کا معاملہ بھی دلچسپ ہے۔ ایک صاحب نے ہندوستان ٹائمز میں لکھا ہے کہ بنگال کی حکومت نے صدر سے جو یہ درخواست کی ہے کہ بنگالی زبان کو بھی بہار میں سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے تو یہ درخواست دفعہ ۳۴۷ کے تحت دی گئی ہے۔

ـــ لیجئے! دفعہ ۳۴۷ یہاں بھی نمودار ہوئی!!

——— پھر وہ کہتے ہیں کہ حکومت ہمارنے تو خود ہی پرنیا، جبرا پاکور، صاحب گنج اور ایسے اضلاع میں جہاں بنگالی رہتے ہیں، سرکاری زبان ہندی کے بجائے بنگالی کے استعمال کرنے کی اجازت دیدی ہے۔ تو اب پھر کیا شکایت ہے!

——— معلوم ہوا ہے کہ باوجودیکہ بہار کی حکومت اپنے بعض اضلاع میں ایک دوسری زبان کو سرکاری زبان کی برابر درجہ دے چکی ہے۔ پھر بھی بنگالی مطمئن نہیں ہوتے!!

——— اتر پردیش کے اردو دانوں کیلئے بھی یہ انکشاف دلچسپ ہوسکتا ہے۔

——— میرٹھ میں تقریر کرتے ہوئے ٹنڈن جی نے فرمایا کہ ملک کی ایکتا کا سوال ہندی کے سوال سے وابستہ ہے اور یہ کہ ملک کو مزید تقسیم اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچانا ہے!

——— موصوف پہلے تو اندھرا تشریف لے جائیں پھر تلنگانہ اور مرہٹواڑی میں جاکر یہ بات فرمائیں ——— مزے کی بات یہ ہے کہ گھوم پھر کر اتر پردیش ہی میں اردو پر ٹنڈن جی کا سارا زور صرف ہو رہا ہے۔ حالانکہ اردو والے کسی تقسیم اور بٹوارے کا دعویٰ نہیں کرتے!! ——— پھر وہ بھی کیوں نہ دعویٰ کردیں کہ بناؤ اردو کا ایک صوبہ!!

انجمن کی خبریں

دہلی محترمہ حمیدہ سلطان صاحبہ اطلاع دیتی ہیں کہ۔۔

انجمن ترقی اردو شاخ دہلی کی ایک نشست ۱۲ر ستمبر ۱۹۵۳ء کی شام کو ۸ بجے زیر صدارت علامہ پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی منعقد ہوئی۔ موضوع بحث تھا "شاعری کیا ہے"! اس بحث کا آغاز کرتے ہوئے حضرت جوش ملیح آبادی نے فرمایا کہ بعض لوگوں کو قدرت موزونی طبع اس لئے دیتی ہے کہ وہ شاعر ہوجائیں لیکن ہمارے یہاں۔

"اس بربط سخن میں ہے کس کی صدا نہ پوچھ"

یہ قدرت ہی جانتی ہے کہ وہ کون سے عناصر ترکیبی ہوتے ہیں جو ایک انسان کو شعر کہنے کا ملکہ عطا کرتے ہیں۔ دراصل شعر اسکو کہتے ہیں جو کسی کے دل پر ان جذبات کو طاری کرے جن کیفیات میں مبتلا ہوکر شاعر نے شعر کہا ہے۔ جو جتنا بڑا شاعر ہوگا اتنا ہی اس کے یہاں یہ سامان کیف موجود ہوگا۔ جو شعر پڑھنے والوں کے دل کو متاثر نہ کریں گے۔ وہ شعر نہیں تُک بندی ہے۔ دراصل شاعری کی اصل محبت ہے اس کی جھولی میں اور بہت کچھ ہے۔ جب گھٹا جھوم کر آئے گی، کوئل کوکے گی، چاندنی نور برسائے گی، پیار کی مدماتی رات آئے گی تو اس کا اثر سب پر ہی ہوگا۔ احساس تو خدا نے ہر انسان کو عطا کیا ہے لیکن جو ان کیفیات کو محسوس کرے اور بیان کرسکے وہی شاعر ہے۔ شاعر بہت ذکی الحس ہوتا ہے یہ اس کے لئے نعمت بھی ہے، مصیبت بھی ہے سارے جہاں کا درد اسی کے دل میں ہوتا ہے۔

ہر انسان کا درد دکھ پوری قوم کی مصیبت شاعر محسوس کرتا ہے اور اس کا دل چیخ اٹھتا ہے۔ اسی چیخ کا نام شاعری ہے۔ عشق سے فائدہ صرف اتنا ہے کہ کلام میں پختگی آتی ہے مگر شاعری میں زور اتنا ہی ہوتا ہے جتنا کہ شاعر کے خیالات میں ہوتا ہے۔ فانی کی شاعری لیجئے۔ غم و یاس پر اور شعراء کے بھی بہت اشعار ہیں۔ لیکن فانی نے غم کو ایسا اپنایا ہے کہ اسی کیفیت میں ڈوب کر شاعری کی ہے۔ اس لئے فانی کا غم اس کا اپنا غم نہیں بلکہ ہمہ گیر کیفیت رکھتا ہے۔

اللہ اللہ یہ عزت غم کی
اب جو سنتا ہوں تو شرماتا ہوں

اجمل خاں صاحب نے فرمایا کہ شاعری دراصل یہی ہے کہ شاعر اپنے جذبات کو اس خوبی سے شعر کا جامہ پہنائے کہ اس شعر میں ہر ایک انسان کو اپنا ہی سراپا نظر آنے لگے۔

پروفیسر تلوک چند محروم نے یہ رباعی سنائی؟

پابندہ حقایق کو بزور تخیل
جذبات میں کرتا ہے مخمور تخیل
پھر قالب موزوں میں ڈھل جاتے ہیں جذبات
یوں ہوتی ہے نظم دلنشیں کی تکمیل

منوّر صاحب نے کہا میرا بھی عقیدہ یہی ہے جو جوش صاحب نے کہا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جو اور لوگوں پر بیتے وہ کیفیت بھی شاعر اپنے اوپر طاری کرے۔ اشعار وہی دلنشین ہوتے ہیں جو کسی جذبہ سے متاثر ہوکر کہے جاتے ہیں۔

اجمل خاں صاحب۔ کیا آپ کا مقصد ہے کہ شاعر دوسروں کی نقل کرے؟

منوّر صاحب۔ جی نہیں یہ بات نہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ دوسروں پر جو بیتے اس کا شاعر کو احساس ہو۔ وہ ہمیشہ اپنے خیالات ہی پیش نہ کرے بلکہ کبھی کبھی جگ بیتی بھی سنایا کرے۔

بیگم عینی قدوائی۔ منور صاحب کیا واقعی ایسا ہو سکتا ہے یہ کیفیت دراصل آپ پر بھی کبھی طاری ہوئی ہے۔

منور صاحب کیفیت طاری کی نہیں جاتی بلکہ ہو جاتی ہے اور اور شاعر جب تک متاثر نہ ہو کسی واقع سے شعر کہہ نہیں سکتا۔

کیفی صاحب نے بحث کو ختم کرتے ہوئے فرمایا۔ ادبی اعتبار سے اگر شاعری کی تعریف کی جائے تو بہت لمبی ہو جاتی ہے۔ شاہ نامہ بھی شاعری ہے اور داغ کا دیوان بھی شاعری ہے۔ میں اس کو محدود کر کے کچھ نہیں کہوں گا۔ یہ سب چیزیں اپنی جگہ اہم اور شاہکار ہیں۔ مجھے تو جو کچھ کہنا ہے وہ اس شاعری کے متعلق کہوں گا جو عموماً مشاعروں میں پیش کی جاتی ہے۔ دواوین میں دیکھی جاتی ہے۔ اس شاعری کو آپ رومان کہہ لیجئے۔ یا عاشقانہ۔ تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی قوم میں زوال کے آثار پائے جاتے ہیں تو اس کی شاعری رومانی ہو جاتی ہے جیسے کہ آجکل اردو شاعروں کی شاعری۔ اس لایعنی شاعری سے تنگ آکر خواجہ حالی نے کہا تھا۔ مصرع

"جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے"

اگر رومانی شاعری حقیقت کا دامن تھامے ہو اور کلاسی کل ہو جیسے میر کہہ گیا ہے۔

تھمتے تھمتے تھمیں گے آنسو
رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے

تو شاعری اسی کو کہتے ہیں جس سے انسان کے تخیل میں پاکیزگی آئے، دماغ میں بلندی ہو، ارادوں میں قوت پیدا ہو۔ غالب کے سارے کلام میں دل کا عکس صرف ان اشعار میں ہے جو عارف کے لئے انہوں نے مرثیہ کہا ہے۔ حالانکہ غالب کی شاعری اردو ادب کا بے بہا خزانہ ہے۔ جیسا کہ اکثر ترقی پسند ادیب و شعرا کہتے ہیں اب رومانی شاعری کا زمانہ گذر گیا۔ یہ اس وقت کی باتیں ہیں کہ جب لوگوں کو عشق کرنے کے لئے فرصت بھی تھی اور اتنی فراغت بھی نصیب تھی۔ مثنوی زہر عشق ہمارے ادب میں خاص درجہ رکھتی ہے۔ لیکن اب اس قسم کی چیز اگر کوئی شاعر لکھے تو مضحکہ خیز بات ہوگی۔ ہر دور کی خصوصیات ہوتی ہیں۔ ادیب و شاعر اپنے دور کا حال اپنے شعروں میں سناتا ہے۔ آج بھی آپ سے سو سال قبل کے انداز میں شعر کہنا کوئی عقل کی بات نہیں۔ اب بے معنی داخلیت کو شعر سے خارج کر دینا چاہئے۔

فرضی محبوب اور من گھڑت ہجر و فراق کی داستانوں نے اردو شاعری کا ستیاناس کر دیا ہے جس کو دیکھئے ایک خیالی پرورش کے غم میں گھلا جا رہا ہے۔ حالانکہ گھر میں کھانے کو روٹی نہیں مگر شاعر صاحب کو اس کی فکر نہیں۔ وہ اپنے خیال میں مگن اور فرضی محبوب کے تصور میں حقایق کو بھولے ہوئے ہیں۔ مرزا غالب کہتے ہیں۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں

کتنی پیاری خارجیت ہے۔

اپنے جذبات کا اظہار سادہ انداز اور دلنشین پیرائے میں کرنے کا نام شاعری ہے۔ جھوٹے بے معنی اشعار کہنا تُک بندی ہے شاعری نہیں۔

بحث کے اختتام پر جوش ملیح آبادی نے سیدنا امام حسین پر دو رباعیاں اور چند شعر مرثیہ کے سنائے۔

منور صاحب لکھنوی، طالب دہلوی، اکمل جالندھری نے بھی رباعیاں اور مرثیے سنائے۔ آٹھ بجے رات کو یہ نشست ختم ہوئی۔ آئندہ نشست تین اکتوبر کو ہوگی۔

دہلی

نرملا کالج کی بزم ادب کے ایک جلسہ میں مولانا حفظ الرحمن صاحب نے فرمایا اردو کو غیر ملکی زبان سمجھنا سخت غلطی ہے۔ اردو زبان کا کوئی مذہب نہیں ہے اور کوئی ایک فرقہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ صرف اسی کی زبان ہے۔

موصوف نے طلبا کو ہدایت کی کہ وہ اردو زبان کو بنیاد بنا کر آپس میں اتحاد اور میل جول بڑھائیں۔

ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ آسان ہندی اور آسان اردو میں کوئی فرق نہیں ہے سوائے رسم الخط کے۔

آخر میں مولانا نے فرمایا کہ کوئی زبان صرف اس لئے کہ حکومت اس کی حمایت کرتی ہو کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک اس کی جڑیں عوام کے اندر مضبوط نہ ہوں۔ صرف وہی زبان ترقی کر سکتی ہے جسے عوام اپنالیں۔

رسیان خان پور

۱۳ ستمبر کو انجمن ترقی اردو رسیان کا جلسہ ہوا جس میں حسابات پیش کئے گئے اور ذرائع آمدنی تجویز کئے گئے۔ چونکہ گورنمنٹ نے کچھ شرطوں کے ساتھ پرائمری اسکولوں میں اردو پڑھانے کی اجازت دی ہے اس سلسلہ میں ممبران سے اپیل کی گئی کہ زیادہ سے زیادہ بچوں کو ان مدرسوں میں اردو تعلیم کے لئے داخل کرائیں۔

اردو تعلیم کے لئے بچوں کا ایک مدرسہ قائم کرنے کی تجویز پیش

کی گئی اور اس کام کے لئے پانچ ممبران کی ایک کمیٹی بنا دی گئی جو چند دن کے اندر اپنی رپورٹ پیش کرے گی۔

بنارس

۱۰ اگست انجمن ترقی اردو بنارس کی ورکنگ کمیٹی برائے ۵۳-۱۹۵۲ء کے منتخب شدہ عہدیداران کی فہرست حسب ذیل ہے۔ ماسٹر شیو ناتھ پرشاد صاحب جنرل سکریٹری منتخب ہوئے تھے۔ لیکن انہوں نے چارج لینے سے قبل ہی استعفا دیدیا اس لئے ظفر الاسلام صاحب ہی بحیثیت سکریٹری کام کرتے رہے ہیں اب بھی کر رہے ہیں۔ ماسٹر صاحب نے رکنیت سے استعفا نہیں دیا ہے اور پورے خلوص سے انجمن کے ساتھ اس کے کاموں میں تعاون کر رہے ہیں۔

بابو کرشن موہن ایڈوکیٹ (صدر)، ماسٹر عبدالباری صاحب ایم اے مرزا اصغر حسین صاحب علیگ، مولوی عبدالعالی صاحب اور عبدالرشید صاحب انصاری وکیل (نائب صدر) ظفر الاسلام، جنرل سکریٹری مرزا فرخندہ بخت صاحب اور آغا ریاض الدین صاحب نائب سکریٹریان مولوی عبدالجبار صاحب (خازن)

سانبھر، راجستھان

سانبھر ۲۵ ستمبر آج شب کو ۷ بجے ایک عام جلسہ زیر صدارت جناب مولوی حافظ غلام محمد صاحب حضرت خواجہ حسام الدین جگر سوختہ کی درگاہ میں انجمن ترقی اردو کی شاخ قائم کئے جانے کے سلسلہ میں منعقد ہو کر حسب ذیل اصحاب کو بالاتفاق عہدہ دار منتخب کیا گیا۔

افتتاحی تقریر مولوی احترام الدین احمد صاحب شاغل عثمانی سکریٹری انجمن ترقی اردو جے پور نے کی۔ جس میں موصوف نے مادری زبان کی اہمیت، اور اس واحد سرمایہ مشترک کے تحفظ و ترقی کی ضرورت پر ایک سیر حاصل تبصرہ کیا، اور بلا تفریق مذہب و ملت ہر اس شخص سے تعاون کی استدعا کی جس کی مادری زبان اردو ہے نیز نہایت صاف و واضح الفاظ میں بتایا کہ اردو، ہندی کی رقیب ہرگز نہیں ہے۔ جن دماغوں میں اس قسم کی الجھن ہے۔۔۔ اس حقیقت کو اول سمجھیں اور پھر کوئی رائے قائم کریں۔

آخر میں حاضرین نے انجمن سے دلی تعاون اور عملی سرگرمیوں میں ساتھ دینے کا یقین دلایا۔ ۹ بجے شب جلسہ برخاست ہوا۔

(۱) شیخ محمد عبدالحق صاحب بی اے، ایل ایل بی وکیل سانبھر صدر
(۲) قاضی مقبول حسین صاحب عثمانی۔ نائب صدر
(۳) شیخ سلیم الدین صاحب قریشی۔ سکریٹری
(۴) حافظ محمد نورالدین صاحب خازن۔

یوم مہدی

علی گڑھ ۲۹ ستمبر فضل الرحمان عثمانی گورکھپوری بی اے، ایل ایل بی (علیگ) اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

اردو کے بے مثال انشا پرداز اور صاحب طرز ادیب مہدی حسن گورکھپوری افادی الاقتصادی مرحوم کی یاد میں ایک ایسے اجتماع کی ضرورت عرصہ سے محسوس کی جا رہی ہے جس میں مقتدر اہل قلم جمع ہو کر ان کے ادبی کارناموں پر اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ اس سلسلے میں حضرت خیر بہوری نمائندہ خصوصی انجمن ترقی اردو (ہند) جو مرحوم مہدی کے مداحوں میں ہیں کئی سال سے کوشش کر رہے ہیں آپ کئی بار مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی پروفیسر آل احمد سرور، پروفیسر احتشام حسین رضوی، مولانا عبدالسلام ندوی اور دوسرے اکابرین کو متوجہ کر چکے ہیں۔

معلوم ہوا ہے کہ انجمن ترقی اردو گورکھپور نے اپنے ۲۰ جولائی کے ایک جلسہ میں جو حاجی الطاف حسین صاحب علیگ محلہ شیخ پور کے دولت کدے پر قاضی محمد عبدالغفار صاحب جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) کی موجودگی میں ہوا تھا یہ طے کیا ہے کہ نومبر ۱۹۵۲ء میں "یوم مہدی" منایا جائے۔

مہدی مرحوم کے ادبی کارناموں کا جائزہ لینا اور ان کی غیر فانی نثر اور تنقیدی کمالات کا مرتبہ متعین کرنا اردو کے ادیبوں کا ایک ایسا فرض ہے جس سے غفلت برتنا اردو کے ایک بڑے قیمتی سرمایہ کو ضائع کر دینا ہے۔ ان کے مضامین کا ایک مجموعہ "افادات" کے نام سے اور خطوط کا مجموعہ "مکاتیب مہدی" کے نام سے بیگم مہدی نے شائع کر کے اردو ادب پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ مگر ابھی غیر مطبوعہ خطوط کا ایک قیمتی ذخیرہ بیگم مہدی کے پاس موجود ہے۔ ان تمام چیزوں کی روشنی میں مہدی مرحوم کی شخصیت اور ان کے اسلوب نگارش اور ان کے بے پناہ تنقیدی صلاحیت کو اجاگر کرنا ہے۔

حضرت خیر بہوری اس تحریک کو کامیاب بنانے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے گورکھپور کی انجمن یہ اجتماع نہ کر سکی تو علی گڑھ میں یہ اجتماع کیا جائے گا۔ جس میں خلیل الرحمن اعظمی ایک طویل اور سیر حاصل مقالہ پڑھیں گے۔ جس سے مہدی کے نقادوں کو ایک نیا راستہ ملے گا۔

امروہہ

۲۹ ستمبر ۱۹۵۲ء انجمن ترقی اردو (ہند) امروہہ کے

زیرِ اہتمام ایک ادبی اجتماع زیرِ صدارت سید سخی حسن صاحب صدر انجمن بوقت ۸ ½ بجے شب منعقد ہوا، جس میں شہر کے ادبی ذوق رکھنے والے تقریباً تمام حضرات نے شرکت فرمائی۔ اولاً جناب صدر نے اپنی افتتاحی تقریر میں مختصراً جلسہ کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی۔ بعد ازاں اپنا مقالہ بعنوان "مختصر افسانہ اور اس کی ٹیکنک" پیش کیا۔ مقالہ ختم ہونے پر دعوت تنقید دی گئی جس میں تاباں صاحب نقوی، حکیم کلب علی صاحب شاہد مولانا سلطان احمد صاحب تسلیم، مولانا صدر الدین صاحب اور جون عصری صاحب نے نہایت دلچسپی کے ساتھ حصہ لیا۔ بعدہٗ صاحب مقالہ نے جوابات دیئے۔ اس کے بعد مولانا مسلم صاحب نے چند تازہ قطعات اور ایک نظم بعنوان "ماں کا گیت" پیش کی۔ جس کو بہت پسند کیا گیا۔ بعد ازاں سید سخی حسن صاحب نے اپنا تازہ ترین افسانہ بعنوان "چنچل" پیش کیا۔ حاضرین نے نہایت دلچسپی کے ساتھ تنقید میں شرکت کی۔ نوجوان طبقہ اس سلسلہ میں پیش پیش رہا۔ اس کے بعد حاضرین کی چائے پان سے مدارات کی گئی۔ اور جلسہ تقریباً ۱۲ ½ بجے نہایت کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔ حاضرین کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ جلسہ کے اختتام تک ہر کارروائی میں دلچسپی سے شریک رہے۔ پروگرام کے مطابق اس قسم کے جلسے ہر پندرہ روز کے بعد منعقد کئے جایا کریں گے۔ آئندہ جلسہ ۱۰ اکتوبر کو بوقت ۸ بجے شب حکیم صیانت اللہ صاحب کے مکان پر منعقد ہوگا۔ جس میں تاباں صاحب نقوی یو۔ این او پر ایک مقالہ جون عصری صاحب نظم اور نفیس احمد صاحب افسانہ بعنوان "جنگشن" پیش فرمائیں گے

مراد آباد خواتین مراد آباد نے ۱۳ ستمبر ۱۹۵۳ء کو انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ کی شاخ کا افتتاح کاشانہ اردو کے نام سے شمیم منزل سنبھلی گیٹ مراد آباد میں کیا۔ اور مندرجہ ذیل عہدہ داروں کا انتخاب کیا۔

شمیم بیگم صاحبہ۔ صدر
بیگم لیلا صاحبہ۔ نائب صدر
حسن افزا قریشی۔ سکریٹری
وزیر بیگم صاحبہ۔ خزانچی

رکن:۔ بیگم انیس احمد صاحبہ۔
خورشید بیگم صاحبہ۔
نسیم فاطمہ۔
ذکیہ بیگم۔

سال گرہ

گاندھی اور ہندوستانی پرچار

گاندھی سال گرہ ہمارا قومی تیوہار ہے۔ ہمارے اور مذہبی تھا سماجی تیوہاروں سے اسے الگ ڈھنگ سے ہم مناتے ہیں۔ اور تیوہاروں میں گھومنے پھرنے کے اور ہنسی خوشی کے پروگرام زیادہ رہتے ہیں۔ گاندھی جینتی ہم گمبھیرتا سے مناتے ہیں۔ اس دن خاص کر کتائی اور صفائی کے پروگرام رہتے ہیں۔ ہریجنوں سے میل جول بڑھانے کے لئے ہریجن آبادی میں جا کر وہاں بھی صفائی سبھا اور بھجن کیرتن کے پروگرام بھی رکھے جاتے ہیں۔ جات پات کا پھیر بھول کر ہم سہبھوجن بھی کرتے ہیں۔

آزادی ملے چھ سال ہو گئے۔ آزادی ملنے کا پہلا ثبوت یہ ہے کہ راج جنتا کی بھاشا میں چلے۔ نیائے جنتا کی بھاشا میں ملے۔ اس اور دھیان جانے کی بہت ضرورت ہے۔ گاندھی جی نے اور کاموں کے ساتھ ساتھ قومی زبان کو پھیلانے کا کام بھی خوب کیا۔ اور آخر تک کرتے رہے انہوں نے قومی زبان کے لئے آخری برسوں میں ہندوستانی لفظ پسند کیا اور ناگری تتھا اردو دونوں لکھاوٹوں کو شروع سے اپنایا۔

اب دیش کی قانون بنانے والی مجلس نے راج بھاشا کا نام ہندی رکھا ہے اور اس کی ترقی کے لئے جو آدیش دیا ہے اس پر سے بہتوں کی رائے ہے کہ جسے گاندھی جی ہندستانی کہتے تھے اسی کو صرف ناگر لکھاوٹ میں ہندی کے نام سے منظور کیا ہے۔ ہندوستانی پرچار سبھا وردھا نے اس کا گت سوا گت کیا اور اپنا کام جاری رکھا۔ قانون سے دونوں لکھاوٹوں کو اپنانا قانونی مجلس کے لئے سمبھو نہ ہوا۔ گاندھی جی کا راستہ قانون کا نہیں محبت کا تھا۔ ہم بھی اسی راستے پر چلیں۔

گاندھی جی کی زندگی میں ہی دیش کے دو ٹکڑے ہو گئے لیکن وے چاہتے تھے کہ ہمارے دل کے ٹکڑے نہ ہوں ان کے لئے کشمیر سے کنیا کماری تک، سارا دیش ایک ہی تھا ہندستانی پرچار سبھا کو بھی انہوں نے یہی صلاح دی تھی۔ کیا آغا خاں جیل میں اور کیا نواکھلی کی پیدل یاترا میں وے کچھ نہ کچھ وقت اردو کے لئے ضرور نکال لیتے تھے۔ یہ ان کے گہرے دیش پریم کا سوچک ہے۔ دیش کی ایکتا کے لئے اور راستے اونچا اٹھانے کے لئے ہم میں سے جو صرف اردو جانتے ہیں وہ ہندی سیکھیں

اور جو صرف ہندی جانتے ہیں وہ اردو سیکھے اور جو دونوں نہیں جانتے وہ دونوں سیکھے۔

ملی جلی سنسکرتی کے اس وشال دیش میں ایسے بہت سے بھائی بہن ہوں گے۔ جو گاندھی جینتی کے پاک موقع پر ہندوستانی سیکھنے سکھانے کا سنکلپ کریں گے۔ وے اگر سبھا کو لکھیں گے تو سبھا ان کی ہر طرح کی مدد کرنے کی کوشش کرے گی۔

میسور میں اردو زبان

ریاست میں بولی جانے والی زبانوں میں کنیڑی زبان کے بعد اردو کا نمبر دوسرا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ریاست میں کوئی بھی جگہ ایسی نہیں جہاں اردو بولنے والے اور سمجھنے والے نہ ہوں اور بقول ایک نامہ نگار کے خود بنگلور تو جنوبی ہند کا دلی یا لکھنؤ ہے۔ مرحوم مہاراجہ خود فارسی اور عربی کے فاضل تھے اور اردو خوب جانتے تھے۔ وزیروں میں اکثر ایسے ہیں جو اردو بولتے ہیں۔ خود کنیڑی زبان اردو اور فارسی کے لفظوں سے بھری پڑی ہے۔

چند مثالیں حسب ذیل ہیں:-

حاضر، محضر، حضور، عرضی، درخواست،
ترنج نامہ، رضا، راضی نامہ، عیسوی،
وکالت نامہ، مختار نامہ، عملدار، منصف،
سررشتہ دار، دفعدار، امین، وکیل، منشی،
ضلع، تعلقہ، حکم، بموجب،

جدید تعلیمی پروگرام کا نام "نئی تعلیم" رکھا گیا ہے۔

ریاست میں اردو بولنے والے مسلمانوں کی تعداد ۹ لاکھ یعنی کل آبادی کا ۱۳ فی صد ہے۔ ان کے علاوہ ہزارہا ہندو، سکھ، سندھی اور پنجابی بھی اردو بولتے اور سمجھتے ہیں۔ اب ضلع بلاری کے تین تعلقوں کے ریاست میسور میں شامل ہونے کے بعد ۸ ہزار سے زیادہ اردو بولنے والے اور اس ریاست میں شامل ہو جائیں گے نئی تعلیم کی اسکیم کے تحت تمام مڈل اور ابتدائی مدرسوں میں کنیڑی اور اردو دونوں پڑھائی جائیں گی۔ ریاست میسور میں اردو کے خلاف کوئی ایسا تعصب نہیں ہے جیسا کہ شمالی ہندوستان میں پایا جاتا ہے۔

ریاست کے تمام بڑے مقامات پر ایسے ادارے ہیں جو اردو زبان کی ترقی کا کام کر رہے ہیں۔ خود بنگلور میں ایک ادارہ انجمن ترقی اردو کے نام سے کام کر رہا تھا۔ اور اس کو حکومت سے کچھ امداد بھی ملتی ہے لیکن اب مرکزی انجمن نے اعلان کر دیا ہے کہ وہ اس کی شاخ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ انجمن ادب، انجمن ترقی تعلیم اور ندوۃ الشعراء بھی اردو ہی کے ادارے ہیں۔

بنگلور میں اس وقت چھ سات روزانہ، پانچ ہفتہ وار، ایک پندرہ روزہ اور دو ماہوار اخبار اور رسالے نکل رہے ہیں۔

انجمن کے اراکین

گذشتہ تین سال میں مرکزی انجمن کے اراکین کی فہرست میں اکثر تغیرات ہوتے رہے ہیں۔ عام اطلاع کے لئے ہم ان اراکین کی مکمل فہرست شائع کرتے ہیں، جو اس وقت مرکزی انجمن کے رکن ہیں۔

۱۔ ڈاکٹر ذاکر حسین۔ وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ		صدر
۲۔ ڈاکٹر عبد الستار صدیقی	الہ آباد	نائب صدر
۳۔ پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی صاحب	دہلی	"
۴۔ نواب کرنل حافظ احمد سعید خاں چھتاری		رکن
۵۔ عبد المجید خواجہ صاحب بیرسٹر ایٹ لا۔	علی گڑھ	"
۶۔ اجمل خاں صاحب پرائیویٹ سکریٹری وزیر تعلیم	نئی دہلی	"
۷۔ افضل العلماء ڈاکٹر محمد عبد الحق	مدراس	"
۸۔ کرنل بشیر حسین زیدی، رکن پارلیمنٹ	نئی دہلی	"
۹۔ ڈاکٹر سید عابد حسین، جامعہ ملیہ	دہلی	"
۱۰۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی مسلم یونیورسٹی	علی گڑھ	"
۱۱۔ پنڈت سندر لال جی ہندستانی کلچر سوسائٹی	الہ آباد	"
۱۲۔ خواجہ غلام السیدین صاحب وزارت تعلیمات	نئی دہلی	"
۱۳۔ پنڈت کشن پرشاد کول صاحب	لکھنؤ	"
۱۴۔ پنڈت آنند نراین ملا صاحب	"	"
۱۵۔ پروفیسر سید مسعود حسن رضوی لکھنؤ یونیورسٹی	"	"
۱۶۔ آل احمد سرور صاحب "	"	"
۱۷۔ ایم۔ ایس۔ بھٹناگر صاحب وزارت فنانس	نئی دہلی	"
۱۸۔ حبیب الرحمٰن صاحب	حیدرآباد	"
۱۹۔ ڈاکٹر یوسف حسین خاں۔ عثمانیہ یونیورسٹی	"	"
۲۰۔ حیات اللہ انصاری صاحب	لکھنؤ	"
۲۱۔ شری کنور مہندر سنگھ بیدی	دہلی	"
۲۲۔ ڈاکٹر مسعود حسن خاں۔ مسلم یونیورسٹی	علی گڑھ	"
۲۳۔ عبد القیوم انصاری صاحب سابق وزیر بہار	پٹنہ	"
۲۴۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب جمعیۃ علماء ہند	دہلی	"

۲۵۔ ڈاکٹر عبد العلیم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ رکن
۲۶۔ اچاریہ بریندر دیو صاحب وائس چانسلر ہندو یونیورسٹی بنارس ”
۲۷۔ آنریبل شری رام کرشن راؤ چیف منسٹر حیدرآباد ”
۲۸۔ سید نجیب اشرف ندوی صاحب بمبئی ”
۲۹۔ شری کرشن چندر ” ”
۳۰۔ شہاب الدین دیسنوی صاحب ” ”
۳۱۔ مولانا شاہ معین الدین صاحب دار المصنفین۔ اعظم گڑھ ”
۳۲۔ قاضی محمد عبد الغفار صاحب جنرل سکریٹری علی گڑھ ”

رفتارِ ادب

(ڈاکٹر عبادت بریلوی کی رائے جو موصوف نے پاکستان ریڈیو لاہور سے نشر فرمائی)

رفتارِ ادب کے سلسلے میں یوں تو ایسی کئی کتابوں کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے جو حال ہی میں چھپ کر بازار میں آئی ہیں۔ لیکن ان میں سے تین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک تو احوال غالب دوسرے مضامین کا بھارِ آگہی اور تیسری جہاں بوف گرتی ہے۔

احوال غالب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے غالب کی زندگی اور ان کے اخلاق وعادات سے متعلق ایک اہم کتاب ہے اس میں غالب کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مشہور لکھنے والوں کے مضامین شامل ہیں۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد نے ان مضامین کو مرتب کیا ہے اور انجمن ترقی اردو (ہند) نے ان کو کتابی صورت دی ہے۔ یہ مقالات ایسے کچھ نئے نہیں ہیں کیونکہ اس سے قبل ان میں سے بیشتر علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر میں شائع ہو چکے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ سب کے سب نئے معلوم ہوتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ نئے معلوم ہوتے ہیں بلکہ ان کی اہمیت کا احساس بھی ہوتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ان میں سے بیشتر دوسری بار شائع ہوئے ہیں لیکن ہر لکھنے والے نے اپنے مقالے پر نظر ثانی کے بعد کچھ اس طرح ترمیم و اضافہ کر دیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہو جاتی ہے۔ بعض مقالات تو ان میں ایسے ہیں جو گویا از سر نو ہی لکھے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر مالک رام صاحب کا مضمون اس سے قبل ۱۲ صفحوں میں شائع ہوا تھا لیکن اب نظر ثانی اور اضافے کے بعد یہی مضمون ۳۷ صفحوں میں آیا ہے۔ اسی طرح پانچ مضامین کی مجموعی ضخامت ۶۶ صفحات تھی اب نظر ثانی کے بعد یہ مضامین ۱۱۵ صفحات میں آئے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض بالکل نئے مضامین بھی اس میں شامل کئے گئے ہیں۔ اس لئے احوال غالب کو غالب نمبر کا نقش ثانی نہیں کہا جاسکتا۔ یہ اپنی نوعیت اور اہمیت کے اعتبار سے بالکل ایک نئی چیز ہے اور اسی وجہ سے اس کی ایک مستقل حیثیت بھی ہے۔ غالب کی زندگی سے متعلق اتنا مواد شاید ہی کسی دوسری جگہ مل سکے۔

غالب کی زندگی سے متعلق یوں تو خاصا کام ہو چکا ہے۔ "حالی کی یادگار غالب" مالک رام غلام رسول مہر اور شیخ اکرام کی کتابیں اپنی اپنی جگہ پر بہت اہم ہیں۔ ان سب نے غالب کی شخصیت پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی اور اس کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ غالب کی شخصیت کے خدوخال انہیں لکھنے والوں نے ہمارے سامنے پیش کئے ہیں۔ احوال غالب نے ان پہلوؤں کو کچھ اور بھی اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اور اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اس میں ان کی شخصیت کے مختلف پہلو کچھ زیادہ ہی نمایاں ہیں۔ اور چونکہ مختلف لکھنے والوں نے ان مختلف پہلوؤں کی تصویر کشی کی ہے۔ اس لئے اس میں ایک ایسا تنوع پیدا ہو گیا ہے۔ ایک ایسی رنگارنگی نمایاں ہو گئی ہے جو صرف اسی صورت میں پیدا ہو سکتی تھی۔ یہ تنوع اور رنگارنگی احوال غالب کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے۔ اس میں تحقیق سے دلچسپی رکھنے والے کو محققانہ چھان بین بھی نظر آسکتی ہے۔ ایک طالب علم کے لئے غالب سے متعلق عام معلومات کا سرمایہ بھی فراہم ہو سکتا ہے اور ایک عام پڑھنے والے کے لئے غالب کی زندگی کی رنگینی اور رنگارنگی ایک عام انسانی دلچسپی کا باعث بن سکتی ہے۔ احوال غالب انہیں تینوں خصوصیات کا مجموعہ ہے۔ لیکن ان تینوں خصوصیات میں سے میرے نزدیک آخر الذکر خصوصیت سب سے زیادہ اہم ہے۔ غالب کی انسان کی حیثیت سے دیکھنے اور ان کی شخصیت اور کردار میں انسانی پہلوؤں کو تلاش کرنے کی ابتدا حالی نے کی تھی لیکن ان کے کچھ حدود تھے۔ ان حدود میں رہتے ہوئے انہوں نے بڑا کام کیا۔ لیکن وہ سب کچھ حرف آخر نہیں تھا۔ اس مجموعے میں بعض مقالات ایسے شامل ہیں جو اس کام کی تکمیل کرتے ہیں۔ خاص طور پر حمید احمد خاں نے جو غالب کی خانگی زندگی کی ایک جھلک اور امراؤ بیگم کے عنوان سے جو مضامین لکھے ہیں وہ اسی نوعیت کے ہیں ان سے گہرے انسانی شعور کا اندازہ ہوتا ہے اور انسانی دلچسپی کی ایک فضا پیدا ہوتی ہے ان کو پڑھ کر اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ غالب صرف بڑے شاعر ہی نہیں تھے ایک بڑے انسان بھی تھے اور یہ بات میرے خیال میں ان کی شاعری سے بھی زیادہ اہم ہے کیونکہ ان کی شاعری کی تخلیق بھی اس کے ہاتھوں ہوئی ہے۔

"احوالِ غالب" کے تحقیقی مقالات میں ڈاکٹر عبدالحق کا مقالہ روئداد و مقدمہ مرزا غالب ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کا مقالہ دہلی سوسائٹی اور مرزا غالب قاضی عبدالودود کا مقالہ .... مولانا غلام رسول مہر کا مقالہ غالب کی خاندانی پنشن اور ڈاکٹر مختارالدین احمد کا مقالہ میر غالب در حدیث دیگراں خاص طور پر مطالعے کے قابل ہیں۔ ان سے غالب کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔

یہ مجموعہ تنقید سے خالی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سلسلے کی دوسری کتاب افکارِ غالب زیرِ طبع ہے۔ جس میں غالب کے فکر و فن سے متعلق مشہور لکھنے والوں کے مقالے ہوں گے۔ اس کتاب کی تکمیل گویا اسی وقت ہوتی جب افکارِ غالب شائع ہو جائے گی۔

ویسے احوالِ غالب کی اہمیت کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ مختارالدین احمد صاحب نے اس میں غالب سے متعلق بڑا دلچسپ اور مفید مواد جمع کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کی یہ کوشش پوری طرح کامیاب ہے البتہ ایک کمی اس میں کھٹکتی ہے وہ یہ کہ غالب کی مختلف تصانیف پر بھی اس میں ایک تحقیقی مقالہ شامل ہونا چاہئے تھا۔ تصانیفِ غالب کا اس میں جگہ جگہ تذکرہ تو ہے لیکن مفصل اور تحقیقی نہیں ہے۔

زنانہ مشاعرہ

محترمہ حمیدہ سلطان اطلاع دیتی ہیں کہ:۔

انجمن ترقی اردو کی شاخ دہلی کی جانب سے نومبر کے پچھلے ہفتہ میں ایک زنانہ مشاعرہ کیا جا رہا ہے۔ اسی میں پاکستان سے بھی شاعرہ خواتین کو آنے کی دعوت دی گئی ہے۔ جو شاعرہ خواتین اس مشاعرے میں حصہ لینا چاہتی ہیں براہ کرم اکتوبر کے تیسرے ہفتہ تک اس پتہ پر اطلاع دیدیں۔

حمیدہ سلطان

دفتر انجمن ترقی اردو شاخ دہلی
علی منزل۔ کوچہ پنڈت
دہلی

نوٹ:۔ یہ مشاعرہ آل انڈیا ریڈیو دہلی سے نشر بھی کیا جائے گا۔
